Urdu Nama-2
Refreed Journal
ISSN No. 2320-4885
Vol.2- No.2, Nov. 2013 to April, 2014

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی

حنیف نقوی

تحقیق، طریقِ استدلال اور طرزِ بیان

دورِ حاضر کے مشہور محقق پروفیسر حنیف نقوی کا تحقیقی سرمایہ دو طرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ایک وہ جن میں موشگافی کے بجائے مستند معلومات کو مناسب حوالوں کی مدد سے روانی کے ساتھ رقم کرنے کا رجحان نظر آتا ہے۔ "غالب اور جہانِ غالب" کے بعض مضامین مثلاً مرزا عاشور بیگ، مرزا خداداد بیگ، سبحان علی خاں، مولوی خلیل الدین خاں، منشی عاشق علی خاں، نواب میر جعفر علی خاں، حکیم سید احمد حسن مودودی، ارشاد حسین خاں، شیخ اکرام الدین وغیرہ اسی طرز کے ہیں۔ ان مضامین میں تلاشِ حقائق کے مقابلے میں اظہارِ حقائق پر زور ہے۔ برسبیلِ تذکرہ درجِ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہم اردو والوں کے لیے مرزا عاشور بیگ کی اہمیت یہ ہے کہ وہ مرزا غالب کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ ان کی والدہ چھوٹی خانم غالب کی حقیقی بڑی بہن تھیں اور والد مرزا اکبر بیگ کلکتے میں متعین بادشاہِ دہلی کے وکیل السلطنت مرزا افضل بیگ کے حقیقی

بڑے بھائی تھے۔ادبی دنیا کی ایک بلند قامت شخصیت سے اس قرابتِ قریبہ کے سوا
مرزا عاشور بیگ کے پاس کوئی ایسا شرف موجود نہیں جو کسی شخص کو زندگی کی ضمانت فراہم
کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ راقم السطور کی محدود معلومات کے مطابق
مرزا غالب کے ایک خط، مرزا رفیع الدین بیگ وحشی کے مجموعۂ کلام 'غزلیاتِ وحشی' اور
سرورالدولہ آغا مرزا بیگ کی خودنوشت 'کارنامۂ سروری' کے علاوہ کسی اور جگہ تفصیلاً یا
اجمالاً ان کا ذکر نہیں ملتا۔غالب نے یوسف مرزا کے نام ۲۸ر نومبر سنہ ۱۸۵۹ کے خط
میں سقوطِ دہلی کے بعد فتح یاب فوج کے ظلم و ستم کا شکار ہونے والے اپنے بعض قریبی
عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ ان کا بھی نام لیا ہے۔[۱۱]

وہ اس نوع کی تحریروں میں سوالات اٹھانے یا بحث و مُباحثے کے بعد دوسروں کی
آرا کو ردّ و قبول کرنے کے مخمصے میں نہیں پڑتے بلکہ موجود تحقیقی مواد میں سے اپنے مطلب کی
باتیں منتخب کر لیتے ہیں۔ حسبِ ضرورت حوالے بھی دیتے ہیں، مگر جرح نہیں کرتے۔ اصلاً
یہ کسی ادبی محفل میں پڑھنے یا دستیاب معلومات کو ٹھکانے لگانے کی غرض سے لکھے گئے
مضامین ہیں۔ تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ بھی خاصے کی چیز ہیں، لیکن ان کا اصل کارنامہ وہ تحریریں
ہیں جن کا سارا ڈھانچہ بحث و مُباحثے پر مبنی ہوتا ہے۔ اس نوع کے مضامین اُن کے
ہر مجموعے میں کثرت سے موجود ہیں اور یہی ان کی شناخت ہیں۔

بالعموم وہ کسی مشہور روایت یا معروف محقق کی کسی ایسی رائے سے جسے درست
نہیں سمجھتے، گفتگو کا آغاز کرتے ہیں یا دورانِ بیان اس کا حوالہ دیتے ہیں اور پھر محولہ قول کے
مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں، متعدد داخلی اور خارجی شواہد کی روشنی میں قدم بہ قدم نتیجہ
اخذ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور آخر میں ماحصل بیان کر کے بات ختم کر دیتے ہیں۔
اس طریقِ کار کو سمجھنے کے لیے ہم اُن کے مضمون 'بنارسی کی دوستی' پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اس عنوان کا پس منظر یہ ہے کہ غالب نے علائی کے نام ایک خط میں کسی بنارسی کا

ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''ایک بار میں نے دکنی کی دشمنی میں گالیاں کھائیں، ایک بار بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھاؤں گا۔''[۲]

ظاہر ہے، یہاں دکنی سے مراد فارسی لغت برہانِ قاطع کے مؤلف محمد حسین برہان ہیں جن پر اعتراض کرنے کے نتیجے میں غالب موردِ دشنام بنے تھے۔ لیکن بنارسی کون ہے، یہ مسئلہ ایک مدت تک لاینحل رہا۔ قاضی عبدالودود نے ۱۹۶۹ء میں غالب صدی سمینار کے افتتاحی خطبے میں یہ سوال اٹھایا تھا اور بنارسی کی شخصیت سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔

اس کے مدتوں بعد، شب خون مئی، جون ۱۹۹۹ء کے مشترک شمارے میں گیان چند کا ایک طویل خط چھپا جس میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ بنارسی سے مراد خان آرزو کے شاگرد ملاّ سابق بنارسی ہیں۔

گیان چند جین کی اس رائے سے حنیف نقوی متفق نہیں۔ لیکن وہ اپنے مؤقف کی وضاحت سے قبل قاری کو پورے پس منظر سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، قاضی عبدالودود کے خطبے سے بات شروع کرتے ہیں پھر پروفیسر گیان چند کے خط کا طویل اقتباس درج کرتے ہیں اور غالب کے مذکورہ خط کا درجِ ذیل حصہ بھی نقل کرتے ہیں:

''ضمناً ذکر ایک مدبر کا لکھا جاتا ہے۔ جو تم نے اس مدبر کے صفات لکھے، سب سچ ہیں۔ احمق، خبیث النفس، حاسد، طبیعت بری، سمجھ بری، قسمت بری۔ ایک بار میں نے دکنی کی دشمنی میں گالیاں کھائیں، ایک بار بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھاؤں گا۔ میں نے جو تمھیں اس کے باب میں لکھا تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ میں نے سنا تھا کہ تم نے اپنے سائیسوں سے کہہ دیا ہے یا کہا چاہتے ہو کہ اس کو بازار میں بے حرمت کریں۔ یہ خلافِ شیوۂ مومنین ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قصد نہ کرنا۔ یہ مویّد اُس قول کا ہے جو میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ تم یوں تصوّر کرو کہ اس نام کا آدمی اس محلّے میں بلکہ اس شہر میں کوئی نہیں۔''[۳]

خط کے متن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غالب نے جس بنارسی کی دوستی کا ذکر کیا ہے وہ اُن دِنوں حیات تھا، اور دہلی میں موجود تھا۔ غالب کے ''خلافِ شیوۂ مومنین'' کہنے سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے علائی کی طرح اثنا عشری تھا اور اسی محلّے میں سکونت پذیر تھا جہاں غالب اور علائی فروکش تھے۔ یہ تمام شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بنارسی سے ملّا محمد عمر سابق بنارسی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ کیوں کہ:

''ملّا محمد عمر سابق بنارسی نہ تو غالب کے ہم محلّہ تھے اور نہ ہم عصر۔ وہ ۱۸۱۰ء میں یعنی اس خط کی تحریر سے تقریباً ساٹھ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ علاوہ بریں وہ سنّی العقیدہ تھے اور اہلِ علم ان کی کسی ایسی کارگزاری سے واقف نہیں جس کی تائید یا حمایت کا خمیازہ اُن کے کسی دوست کو گالیوں کی صورت میں بھگتنا پڑا ہو۔''[۱۲]

اس لمبی بحث کے ذریعے حنیف نقوی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ پروفیسر گیان چند کا دعویٰ درست نہیں۔ اور اس کے بعد یہ نیا دعویٰ پیش فرماتے ہیں کہ غالب کے مُشارٌ اِلیہ مرزا یوسف علی خاں عزیز بنارسی ہیں۔ ان کے نزدیک:

''اس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ غالب کے حلقۂ احباب و تلامذہ میں اُن کے علاوہ ایسا کوئی اور شخص نظر نہیں آتا جو بنارس سے وطنی نسبت رکھتا ہو اور جس کی خاطر انھیں بے حد عزیز ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دہلی میں ان کا قیام محلّہ بلّی ماران میں غالب کے پڑوس ہی میں تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غالب کی طرح وہ بھی اِثنا عشری عقیدے کے پیرو تھے اور ایّامِ عزا میں باقاعدہ مرثیہ خوانی کیا کرتے تھے۔ چوتھا اور سب سے اہم سبب یہ ہے کہ غالب کو زبان و لغت کے بعض مسائل میں 'برہانِ قاطع' کے مؤلف محمد حسین دکنی سے اختلاف کی بنا پر ان کے حامیوں کی مذمّت و ملامت کا ہدف بننا پڑا تھا۔ عزیز کو بھی اپنے زمانے کے معروف اساتذۂ سخن اور زباں دانوں پر خواہ مخواہ اعتراض اور ان کی اصلاح کا عارضہ لاحق تھا، جس کے نتیجے میں کبھی کبھی نوبت بحث و تکرار اور مُناقشے اور مُعارضے تک پہنچ

جاتی تھی"----(غالب اور جہانِ غالب۔ص:۱۵۶)

یہ وہ چار اسباب ہیں جن کی بنیاد پر یوسف علی خاں عزیز بناری مراد لیے جا سکتے ہیں۔اس دعوے کو استحکام بخشنے کے لیے وہ مزید دلائل فراہم کرتے ہیں۔عزیز بناری غالب کو کتنے عزیز تھے،اس کے ثبوت میں نقوی صاحب غالب کے مکتوب بہ نام منشی نبی بخش حقیر مرقومہ ۲۳رجنوری ۱۸۵۲ء،مکتوب بہ نام منشی شیونرائن آرام مرقومہ ۶رنومبر ۱۸۵۹ء،مکتوب بہ نام مرزا حاتم علی مہر مرقومہ ۱۸۶۰ء اور مکتوب بہ نام حبیب اللہ ذکا مرقومہ ۲۴ردسمبر ۱۸۶۶ء سے اقتباسات پیش فرماتے ہیں۔اور جب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعتاً غالب عزیز بناری کو عزیز رکھتے تھے تو حنیف نقوی یہ انکشاف کرتے ہیں کہ عزیز بناری اُن دِنوں بے روزگار اور پریشان حال تھے۔ان کے بہ قول غالب کے بعض دوسرے خطوں میں اس کا ذکر ہے۔

بہ ظاہر یہ ایک غیر متعلق سی بات معلوم ہوتی ہے مگر عزیز بناری کی پریشان حالی کا یہ تذکرہ بے سبب نہیں ہے۔مضمون نگار نے اس چھوٹی سی اطلاع سے آگے چل کر فائدہ اُٹھانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔لیکن اس سے پہلے وہ یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ عزیز بناری کے نام غالب کے تین خطوط دستیاب ہیں،دو میں مکتوب نگار نے زبان اور لغت کے مسائل پر گفتگو کی ہے اور ان ہی دو میں سے ایک خط میں یہ بھی تحریر ہے کہ:"پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے،تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔...تم اپنی تکمیل کی فکر میں رہا کرو۔زِنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو۔"(غالب اور جہانِ غالب۔ص:۱۵۸)

مندرجہ بالا عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عزیز بناری دوسروں پر اعتراض کیا کرتے تھے۔مزید ثبوت کے طور پر عبدالغفور نساخ اور لالہ سری رام کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عزیز بناری انیس و دبیر کے مرثیوں میں جا و بے جا غلطیاں نکالا کرتے تھے۔لالہ سری رام کے ایک اور طویل اقتباس کے ذریعے قارئین کو یاد دلایا جاتا ہے کہ ظہیر دہلوی نے قصہ شہزادہ ممتاز کا فارسی سے اردو میں جو ترجمہ کیا تھا،اس پر بھی عزیز بناری نے اصلاحیں دی

تھیں۔ جس سے خفا ہو کر ظہیر دہلوی نے فصحائے دہلی کی خدمت میں اپنی تحریر اور عزیز بناری کی اصلاحیں پیش کر کے ان سے رائے طلب کی تھی۔ اس مُعاملے نے طول کھینچا تھا۔ مشکل سے بات رفع دفع ہوئی تھی۔ حنیف نقوی کا خیال ہے کہ اس قضیے میں غالب نے عزیز بناری کا ساتھ دیا ہوگا۔ مُعاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

''لالہ سری رام نے اپنے بیان میں ظہیر دہلوی کے تیار کیے ہوئے جس محضر کا ذکر کیا ہے، غالبًا وہی اس فساد کا اصل محرک تھا جو ایک طرف علائی کی برافروختگی کا سبب بنا اور دوسری طرف معاندانِ غالب کو ان کے خلاف طنز و تعریض کا ایک حربہ فراہم کر گیا۔'' (غالب اور جہانِ غالب۔ ص:۱۶۲)

غالب کے محولۂ بالا خط کا ایک لفظ 'مدبر' بھی محققین کو الجھن میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ اسے عام طور سے مُدَبّر پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ قرات کسی طرح عبارت سے ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتی۔ خود قاضی عبدالودود نے اس لفظ کے حوالے سے مذکورہ بالا خطبے میں اپنی الجھن کا اظہار کیا تھا۔ حنیف نقوی اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ حتمی طور پر مُدَبّر (بہ فتحِ دال و تشدید بائے مکسور) نہیں، مُدْبِر (بہ سکونِ دال و کسرِ با) ہے اور یہ اس شخص کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کا مفصّل ذکر آئندہ سطور میں آیا ہے۔ لغت کے مطابق مُدْبِر اس شخص کو کہتے ہیں جسے اقبال مندی پیٹھ دکھا چکی ہو، یعنی جو شخص جاہ و ثروت اور آسائش کے دن دیکھنے کے بعد افلاس و تنگ دستی کی زندگی گزار رہا ہو۔''

(غالب اور جہانِ غالب۔ ص:۱۶۳)

یہاں پہنچ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مضمون کے ابتدائی حصے میں غالب کے محولہ خط کی عبارت پیش کرتے ہوئے، عزیز بناری کی تنگ دستی کا مجمل ذکر کیوں کیا گیا تھا۔

بہر حال جو بات ذرا دیر قبل اجمالاً کہی گئی تھی، اب وقت آ گیا ہے کہ اسے مزید

تقویت پہنچانے کے لیے کوئی اور ثبوت پیش کیا جائے۔ چنانچہ نقوی صاحب عزیز بنارسی کی مثنوی ''حقیقتِ حال'' کے چند ایسے اشعار نقل کرتے ہیں جن میں شاعر نے اپنی برگشتہ طالعی کا رونا رویا ہے۔

اس طرح متعدد دلائل سے گزر چکنے کے بعد غالب کے محولہ بالا خط کا زمانۂ تحریر زیرِ بحث آتا ہے اور مختلف قرائن وشواہد کی مدد سے نقوی صاحب یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جس خط میں بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھانے کا ذکر آیا ہے، وہ ۲۲ر جولائی ۱۸۶۸ء کو لکھا گیا تھا۔

پیشِ نظر مضمون کے خاتمے سے قبل، بہ طور حاصلِ کلام یہ بات دُہرائی جاتی ہے کہ: ''غالب کے متذکرہ خط میں 'بنارسی' سے مرزا یوسف علی خاں عزیز کے علاوہ اور کوئی شخص مراد نہیں۔ غالب کے شاگردوں اور دوستوں میں وہی تنہا ایسے شخص تھے جو بنارس سے وطنی نسبت رکھتے تھے اور جن کے ساتھ غالب کا غیر معمولی تعلقِ خاطر ان کی مختلف تحریروں سے ظاہر ہے۔'' (غالب اور جہانِ غالب۔ ص:۱۶۶)

حنیف نقوی کس طرح اپنے مضمون کو ابتدا، وسط اور انجام کے مختلف مراحل سے گزارتے ہیں، یہ جان لینے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بحث ومُباحث کے دوران وہ کیسا اسلوبِ تحریر اختیار کرتے ہیں ---اس کے لیے ''مآثرِ غالب مرتّبہ قاضی عبدالودود کی ترتیبِ جدید کے ایک حاشیے پر نظر ڈالتے ہیں۔ حاشیہ نگار ہیں، حنیف نقوی اور مسئلہ ہے تپاں کے ایک خط کے سنہ تحریر کے تعیّن کا۔ دیکھیے وہ کس طرح اسے حل کرتے ہیں:

''۴ر ستمبر کی ربیع الاوّل کے ساتھ مطابقت، کلکتے کے سفر اور تپاں کی وفات کے درمیانی عرصے میں صرف تین ہجری سنوں ۱۲۴۵ھ، ۱۲۴۶ھ اور ۱۲۴۷ھ میں ممکن ہے۔ ۱۲۴۵ھ میں یہ تاریخ ۵ر ربیع الاوّل کے مطابق ہوگی۔ یہ اس لیے ناقابلِ قبول ہے کہ غالب اس زمانے میں مرشد آباد اور باندے کے درمیان سفر میں تھے اور یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ باقی دو تاریخیں ۱۵ر ربیع الاوّل ۱۲۴۶ھ اور

۲۶ ؍ربیع الاوّل ۱۲۴۷ھ ہوسکتی ہیں۔ ان میں ۲۶ ؍ربیع الاوّل ۱۲۴۷ھ مطابق ۴؍ستمبر ۱۸۳۱ء اس لیے ممکن نہیں کہ مولوی سراج الدین احمد کے نام کے خطوط میں اس تاریخ کا خط موجود ہے اور اس میں تپاںؔ کی علالت کا مطلقاً کوئی تذکرہ نہیں (پنج آہنگ، خط ۲۶) جب کہ اُن ہی کے نام ایک اور خط سے، جس پر کوئی تاریخ درج نہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو تپاںؔ کی اس بیماری (دردِ پہلو) کی اطلاع سراج الدین احمد نے ہی دی تھی اور یہ خط ان کے نام اُس خط کے ساتھ ہی بھیجا گیا تھا (از نگارشِ مخدوم پدید آمد کہ... مرزا احمد بیگ خاں از دردِ پہلو زحمت کشیدہ، و بحسنِ تدبیر جناب سید احمد علی خاں روی افاقت دیدہ... نامۂ موسومۂ شان می رسد، باید رسانید)۔ ان حالات میں صرف ایک تاریخ ۴؍ستمبر ۱۸۳۰ء بچتی ہے۔ یہ دونوں خط (پنج آہنگ، خط نمبر ۵۸ و مآثر خط ۲۷۔۲۲) اسی دن لکھے گئے تھے۔''[۵]

تحقیقی مضامین کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ بے حد خشک ہوتے ہیں۔ یہ بے کیفی کچھ تو طرزِ بیان کی مَرہونِ منّت ہوتی ہے اور کچھ اس لیے کہ زیرِ بحث موضوع سے عام قارئین پوری طرح واقف نہیں ہوتے اور محققین بسا اوقات وضاحت کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ نتیجہ بے کیفی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ مگر یہی بات حنیف نقوی کے مضامین کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔ وہ عام طور سے ایسا اندازِ تحریر اختیار کرتے ہیں اور حسبِ ضرورت بعض جزئیات کو اس طرح متن میں شامل کردیتے ہیں کہ مفہوم تک پہنچنے میں قاری کو دشواری نہیں ہوتی بلکہ ایک نوع کا تجسس برقرار رہتا ہے۔ یہ ایک بڑا وصف ہے اور اسے حنیف نقوی صاحب کے امتیازات میں شمار کرنا چاہیے۔

مزید وضاحت کے لیے حنیف نقوی کا ایک اور مضمون ''غالب کے عہد میں ڈاک کا نظام'' مطالعے کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ عنوان چونکا دینے والا ہے اور بہ ظاہر غیرادبی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نفسِ مضمون پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبیات

سے اس کا کس قدر گہرا تعلق ہے اور تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ کتنی اہم علمی کاوش ہے۔ اس مقالے میں غالب کے خطوط اور بعض دیگر ذرائع سے موضوع کا احاطہ کیا گیا ہے اور پھر یہ بتایا گیا ہے کہ ان معلومات سے ادبی تحقیق میں کس طرح فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون کی آخری سطریں ملاحظہ ہوں:

''غالب کے عہد میں ڈاک کے نظام سے متعلق یہ تفصیلات کسی اور جگہ بھی دستیاب ہیں یا نہیں اور خود محکمۂ ڈاک کے نقطۂ نظر سے ان کی کیا اہمیت ہے، محررِ سطور فی الوقت اس سلسلے میں کچھ کہنے کے مَوقف میں نہیں۔ لیکن غالبیات کے مطالعے میں ان کی اہمیت سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس پہلو کی وضاحت کے لیے صرف دو مثالیں پیش کر دینا کافی ہوگا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ غالب کے بہت سے خطوط کا زمانۂ تحریر نامعلوم ہے۔ اس قسم کے لاتعداد خطوط میں بسمل میرٹھی کے نام کا وہ خط بھی شامل ہے جس میں انھیں اپنے خط کے ساتھ کسی اور کا خط ملفوف نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایسا ہی ایک اور خط قدر بلگرامی کے نام کا ہے جس میں 'ٹکٹ پر تحریر کی مُمانعت' کا ذکر آیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں پیش کردہ معلومات کے مطابق خطوط میں تداخل کا ضابطہ مئی ۱۸۶۳ء کے بعد نافذ ہوا اور دسمبر ۱۸۶۴ء سے پہلے منسوخ کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے بسمل کے نام کے خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء کے ان دو مہینوں (مئی ۱۸۶۳ء اور دسمبر ۱۸۶۴ء) کے درمیان محدود کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح 'ٹکٹوں پر تحریر کی مُمانعت' کا ضابطہ اگست ۱۸۶۵ء تک نافذ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدر کے نام کا محولہٴ بالا خط اگست ۱۸۶۵ء کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔''[۶۱]

تحقیقی قدر و قیمت کے علاوہ، مندرجہ بالا بیان کا ایک وصف اس کا نثری حسن بھی ہے۔ یہ تخلیقی نثر کا نہیں، علمی نثر کا حسن ہے اور انشا پردازی سے قطعاً مختلف ہے۔

اُن کی ابتدائی تحریروں میں انشاپردازی کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً ان کے تحقیقی مقالے 'شعرائے اردو کے تذکرے' کی درجِ ذیل سطریں تخلیقی نثر کے نمونے کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں:

''فارسی کی بزمِ سخن کے چراغ صبح کے سیماب پا ستاروں کی طرح ٹمٹمار ہے تھے اور شعروادب کی فضائے بسیط ایک آفتابِ تازہ کی روشنی سے جگمگاتی جارہی تھی۔ ستاروں کی شکست سے طلوعِ آفتاب تک کی یہ منزل کس طرح طے ہوئی یہ داستان ناشنیدہ نہیں، لیکن یہاں ایک بار پھر اسے تازہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اردو شِمالی یا شمال مغربی ہندوستان میں پیدا ہوئی لیکن خودشناسی اور خودنمائی کے مَواقع اسے سب سے پہلے سرزمینِ دکن میں حاصل ہوئے۔ یہی سرزمین اس کی پُرکشش شاعری اور باوقار ادب کا اوّلین گہوارہ بنی اور اسی اُفق سے اس کے عروج و اقبال کا آفتاب طلوع ہوا۔''[کے]

زبان و بیان کی یہ رنگینی علمی نثر کے لیے مناسب نہیں، حنیف نقوی اس حقیقت سے واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی نگارشات سے قطعِ نظر، ان کے یہاں بالعموم ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ وہ صاف ستھری نثر لکھتے ہیں لیکن سادگی کو بے رنگی یا روکھے پن کے ہم معنی تصور نہیں کرتے۔ الفاظ کی نشست و برخاست، بیان کا اُسلوب اور موضوع سے اس کی ہم آہنگی ان کی نثر کو ادبی حسن اور مطالعاتی کشش بخشتی ہے۔

تحقیق کا یہ سیدھا سا اصول ہے کہ یہاں کوئی بات بڑی یا چھوٹی نہیں ہوتی۔ جو آج غیر اہم ہے، ممکن ہے، کل وہی کسی بڑی دریافت کا پیش خیمہ بن جائے۔ اس لیے جزئیات پر حاوی ہونا محقق کے لیے ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بکھرے ہوئے مَواد سے اپنے مطلب کی باتیں اخذ کرنے، معتبر اور غیر معتبر رِوایتوں میں تمیز کرنے اور غور وفکر کے بعد، حتی الامکان صائب

نتائج تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہو۔ پروفیسر حنیف نقوی میں یہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ تنکا تنکا چُن کر آشیانہ تعمیر کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

تذکروں کی تحقیق ہو، سوانحی نوعیت کے مضامین ہوں، یا غالبیات سے متعلق اُن کا کام، ہر جگہ ان کا علمی استحضار نمایاں ہے۔ ان کی کسی بھی تحریر پر ایک نظر ڈال کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تمام متعلقات مصنف کی نگاہ میں ہیں اور یہ ان کی صواب دید پر ہے کہ کسے منتخب کرنا ہے اور کسے چھوڑ دینا ہے۔ ظاہر ہے، مضمون تفصیلات کا دفتر نہیں ہوتا، منتخب معلومات کا حسبِ ضرورت اظہار ہوتا ہے۔

ایک اور وصف جس نے حنیف نقوی کی تحریروں کو اعتبار بخشا ہے، ان کا تحقیقی مزاج ہے۔ وہ کسی سے مرعوب ہوئے بغیر زیرِ بحث موضوع کا جائزہ لیتے ہیں، شہادتیں جمع کرتے ہیں، غور و فکر کرتے ہیں اور ہر طرح سے مطمئن ہو جانے اور تمام کیل کانٹے درست کر لینے کے بعد قارئین کو اپنے نتیجۂ تحقیق سے آگاہ فرماتے ہیں، اس سے کسی مسلّمہ روایت پر ضرب پڑتی ہے یا کسی کی شہرت شکنی ہوتی ہے تو ہوا کرے، انھیں اس کی پروا نہیں۔ وہ رو رعایت کے قائل نہیں، مفروضات کا اُن کے یہاں دخل نہیں اور دوسروں کے نتائج کو جانچے بغیر قبول کر لینا ان کا مسلک نہیں۔ انھوں نے تحقیق کے اعلیٰ معیار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا، کبھی دوم درجے کی چیز نہیں لکھی اور ترسیل و ابلاغِ خیال کو کبھی غیر ضروری خیال نہیں کیا۔

تحقیق اعلیٰ درجے کی ہو اور زبان موضوع کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ دل کش بھی ہو، یہ کمالِ فن ہے جو عام نہیں۔ معاصرین میں جن لوگوں کے یہاں یہ خوبی نظر آتی ہے، ان میں پروفیسر حنیف نقوی کا نام نمایاں ہے۔ شعرائے اردو کے تذکرے، سوانحی احوال اور غالبیات کے حوالے سے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کے بعض خیالات اور نتائجِ فکر سے اختلاف ممکن ہے لیکن معیارِ تحقیق سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اپنے محتاط رویّے، علمی طریقِ کار، وسعتِ معلومات، قوتِ استدلال، ذہنِ

رَسا، اور واضح، قطعی اور پُرکشش نثر کے لیے وہ معروف ہیں۔ ادبی دنیا عزت سے ان کا نام لیتی ہے، لیتی رہے گی۔ عمر بھر کی رِیاضت کا یہ وہ صلہ ہے جو مانگے بغیر انھیں ملا ہے۔

حواشی:

۱۔ مرزا عاشور بیگ (مضمون) مشمولہ غالب اور جہانِ غالب۔ ص:۱۸۲۔ غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی۔ ۲۰۱۲ء

۲۔ خط بہ نام نواب علاء الدین احمد خاں علائی، مشمولہ غالب کے خطوط۔ جلد اوّل۔ (مرتّب خلیق انجم)۔ ص:۴۲۴۔ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی۔ تیسرا ایڈیشن۔ ۲۰۰۰ء

۳۔ بنارس کی دوستی۔ (مضمون) مشمولہ غالب اور جہانِ غالب۔ ص:۱۵۵

۴۔ ایضاً۔ ص:۱۵۶

۵۔ ماثرِ غالب۔ ترتیب و تدوینِ جدید۔ ص:۹۰

۶۔ غالب کے عہد میں ڈاک کا نظام۔ (مضمون) مشمولہ غالب۔ احوال و آثار۔ ص ص:۱۴۵۔۱۴۶۔ غالب انسٹی ٹیوٹ۔ نئی دہلی۔ باردوم۔ ۲۰۰۷ء

۷۔ شعرائے اردو کے تذکرے۔ ص:۸۴

○○○

نام جرنل	:	ششماہی **اردو نامہ**، اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفریڈ جرنل
مدیر	:	پروفیسر صاحب علی
اشاعت	:	نومبر ۲۰۱۳ء
ناشر	:	شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی
قیمت فی شمارہ	:	-/200 روپے
تزئین وطباعت	:	اردو چینل، گیان کالونی، گوونڈی، ممبئی۔ ۴۰۰۰۴۳
مطبع	:	ایان پرنٹنگ پریس، دُرگا سیوا سنگھ، گوونڈی، ممبئی۔ ۴۳
شعبۂ اردو کا پتہ	:	شعبۂ اردو، پہلا منزلہ، راناڈے بھون، ممبئی یونیورسٹی، کالینا سانتا کروز (مشرق) ممبئی۔ ۴۰۰۰۹۸

خریداری کے لیے

Finance & Accounts Officer, University of Mumbai

کے نام کا چیک / ڈی ڈی، صدر شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کو مندرجہ بالا پتہ پر ارسال کریں۔

Six Monthly

URDU NAMA-2

Academic Research & Refereed Journal

ISSN 2320-4885 , November, 2013

Editor: Prof. Saheb Ali

Published by: Dept. of Urdu, University of Mumbai, Ranade Bhavan, 1st Floor, Kalina Campus, Santacruz(E), Mumbai-400098

Price: 200/- (Per Issue)

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی کا اکیڈمک ریسرچ اینڈ ریفرڈ جرنل

ISSN 2320-4885

مدیر

پروفیسر صاحب علی

کارگزار صدر، شعبۂ اردو

ڈاکٹر معزہ قاضی

مجلس مشاورت

شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

Scanned by CamScanner